شہریت اور پناہ گزینوں سے متعلق حقوق

(سیرت نبوی کی روشنی میں، اور بین الاقوامی قوانین سے موازنہ کے ساتھ)

مؤلف

ڈاکٹر رشید کہوس

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

شہریت اور پناہ گزینوں سے متعلق حقوق

سیرت نبوی کی روشنی میں، اور بین الاقوامی قوانین سے موازنہ کے ساتھ

ڈاکٹر رشید کھوس☆

مقدمہ

الحمد لله الذی جعل مدد النبوة مستمرة السریان فی الامة، وأبقی نورها دائم الاشراق فضلا منه ورحمة، وأشهد أن لااله الاالله خالق الارض والسموات ،وأشهد أن سیدنا وحبیبنا وشفیعنا محمدا المبعوث الی کافة البریات صلی الله علیه وعلی آله الطیبین وأصحابه المکرمین وأزواجه الطاهرات۔ امابعد!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیل" (سورہ اسراء ۷۰:)۔

(اور یقینا ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی ہے اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دی اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی)۔

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو جو کہ تمام شریعتوں کا خاتم ہے، ان تمام تعلیمات کا حامل بنایا ہے جو انسان کی پوری زندگی کے لئے کافی ہے، نیز جو ہر انسان کے لئے متعین حقوق کی ایسی وضاحت کرتا ہے جو شک اور اختلاف سے دور ہے، اور جو انسان کو مقام بلند عطا کرتا ہے، اور انسان کے لئے ایسے حقوق کو لازم قرار دیتا ہے جو کافی ہے اور بلندی کو پہونچا ہوا ہے۔

جن حقوق کو اسلام نے نظری اور تطبیقی دونوں اعتبار سے مقرر کیا، اور انہیں اس حد تک ترقی دی کہ انہیں دین کا لازمی اور ضروری حصہ قرار دیا جس میں خلل ڈالنا حرام ہے، انہی حقوق میں شہریت اور پناہ گزینوں کے حقوق بھی ہیں، یہ حقوق انسانیت کی تکریم، ان کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنے اور سیاسی حد بندیوں سے قطع نظر عام انسانی بھائی چارہ کا احساس دلانے کے لئے ہیں۔

ان حقوق کا سرچشمہ اسلامی شریعت کے متعدد مصادر ہیں، اور ان کا مقصد مصالح کو بروئے کار لانا، مفاسد

کو دور کرنا، انسان کے ساتھ ہمدردی اور زمین میں خلافت کو یقینی بنانا ہے۔

اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت کے تناظر میں ہم نے اس کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، تا کہ شہریت اور پناہ گزینوں سے متعلق اسلامی تصور کے نقوش کو سامنے لایا جائے، کیونکہ یہ انسانی حقوق کے ان اہم مسائل میں سے ہیں جن کی طرف اس زمانہ میں ادارے، سرکاری وغیر سرکاری تنظیمیں اور حقوق سے متعلق جماعتیں خاص توجہ دے رہی ہیں، نیز یہ ان مسائل میں سے ہیں جن کے صحیح ومکمل اور جامع تصور کو اسلامی شریعت اور فقہ الواقع سے مستفاد رائے کی روشنی واضح کرنا ضروری ہے۔

اس مقالہ کو ہم نے دو مرکزی محاور میں تقسیم کیا ہے:

پہلا محور شہریت سے متعلق حقوق کے لئے خاص ہے، اس باب میں اسلام میں شہریت کے معنی اور معاہدۂ مدینہ کی روشنی میں شہریت کے حقوق ذکر کیا ہے، کیونکہ معاہدۂ مدینہ پوری شہریت کا عمدہ نمونہ ہے۔

آخری محور پناہ گزینوں کے حقوق پر مشتمل ہے، اس باب میں پناہ گزینی کے معنی اور اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں پناہ گزینوں کے حقوق کو بیان کیا ہے، اور اخیر میں پناہ گزینی کے خاتمہ کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

اس تمہید کے اختتام پر اسلامک فقہ اکیڈمی کا شکریہ ادا کرنا اور اسلامی شریعت کے تئیں ان کی گراں قدر خدمات پر مبارک باد پیش کرنا ضروری ہے، اور خاص طور پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، محترم مولانا امین عثمانی ندوی صاحب اور اکیڈمی کے تمام رفقاء کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور دست بدعا ہوں کہ اللہ عزوجل آپ تمام حضرات کی کوششوں کو آپ کے حسنات میں شامل فرمائے، آپ کے ذریعہ امت کو خوب خوب نفع پہونچے اور جہالت کے پردے چاک ہوں۔

اللہ تعالی سے ہم توفیق، راستی اور ہدایت طلب کرتے ہیں، بیشک وہی سب سے زیادہ سننے والا اور سب سے زیادہ قبول کرنے والا ہے۔

پہلا محور: شہریت کا اسلامی تصور

۱۔ اسلام میں وطن کی حیثیت

لفظ 'مواطنۃ' نی عربی زبان میں وطن کی جانب انتساب میں شرکت اور وطن کے حقوق کی ادائیگی کو بتاتا ہے، لغوی اعتبار سے مفاعلت کا صیغہ دو یا دو سے زیادہ افراد کا کسی عمل کی ادائیگی میں شرکت کو بیان کرتا ہے، جیسے لفظ مجادلہ اور مناقشہ وغیرہ، 'مواطنۃ' نی کے تین عناصر ہیں، وطن، وطن میں رہنے والے، اور وطن کی طرف انتساب میں شعوری اور عملی شرکت، وطن سے متعلق حقوق کی ادائیگی، وطن کا دفاع اور اس کی ترقی کے لئے کوشش وغیرہ۔

شہریت سلامتی، امان اور باہم زندگی گزارنے کے اہم ترین قدروں میں سے ہے، جو وطن سے متعلق ذمہ داریوں، اور وطن کی طرف نسبت کی ذمہ داری کے احساس پر قائم ہے، یہ محض قیام کرنے یا کہیں رہنے کے مفہوم سے بڑھ کر ہے۔

اسلامی تناظر میں وطن اس جگہ کو کہتے ہیں جسے انسان وطن بنائے، جہاں رہے، قیام کرے، اور جس کی طرف نسبت کرے، کبھی اس لفظ کی وسعت میں قوم اور امت بھی شامل ہوتی ہے، اور کبھی یہ لفظ اس قدر تنگ ہوتا ہے کہ صرف ایک خاندان کے جائے قیام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، ایک خاتون نے اپنے قبیلہ کی زمین کا دفاع کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

”وهي وطني وداري“ (سنن ابی داؤد، کتاب الخراج الفئی والامارۃ، باب ماجاء فی آقطاع الآرضین، حدیث نمبر ۳۰۷۰)۔

قرآن واحادیث میں لفظ 'موطن' متعدد بار آیا ہے، یہ لفظ عموماً ایسی جگہ کو بتاتا ہے جہاں انسان رہتا ہے اور جسے مستقر بناتا ہے یا جہاں واقعات پیش آتے ہیں، اسی مفہوم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”لقد نصركم الله في مواطن كثيرة“ (سورہ توبہ ۲۵)

(بے شک اللہ تعالی نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی ہے)۔

اور اسی مفہوم میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

”مامن امرئ يخذل امرأ مسلما عند موطن تنهك فيه حرمته وينتقص فيه من عرضه إلا خذله الله عزوجل في موطن يحب فيه نصرته ومامن امرئ ينصر امرأ مسلما في موطن ينتقص فيه من عرضه وينتهك فيه من حرمته إلا نصره الله في موطن يحب فيه نصرته“ (مسند احمد بن حنبل، ج ۲۶، ص ۲۸۸)۔

(جو شخص کسی مسلمان کو ایسے وقت رسوا کرتا ہے جب اس کی بے عزتی کی جارہی ہو تو اللہ تعالی اس آدمی کو اس وقت ذلیل وخوار کرتا ہے جب وہ اللہ کی مدد کا طالب ہوتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان کی ایسے موقعہ پر مدد کرتا ہے جب اس کے عزت سے کھلواڑ کیا جارہا ہو تو اللہ تعالی اس شخص کی اس وقت نصرت فرماتے ہیں جب وہ اللہ کی نصرت کا طلبگار رہتا ہے)۔

مزید یہ کہ وطن سے نکالنے کو قرآنی نصوص قتل سے کم تصور نہیں کرتا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”فالذين هاجروا واخرجوا من ديارهم واوذوا في سبيلي وقاتلوا وقتلوا لاكفرن عنهم سيئاتهم ولأدخلنهم جنات تجري من تحتها الانهار ثوابا من عند الله والله عنده حسن الثواب“ (سورہ آل عمران ۱۹۵)۔

☆ پروفیسر اسلامک اسٹڈیز کلیۃ الآداب المنوفیہ یونیورسیٹی، مصر۔

(جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے شہر سے نکالے گئے اور بھی تکلیفیں انہیں میری راہ میں دی گئیں اور وہ لڑے اور مارے گئے ان کی خطائیں ضرور ان سے معاف کردی جائیں گی، اور میں ضرور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اللہ کے پاس سے ثواب ملے گا اور اللہ ہی کے پاس تو بہترین ثواب ہے)۔

اور وطن سے نکالنے کو روح نکالنے کے مساوی قرار دیتا ہے:

"ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم أو اخرجوا من دیارکم مافعلوہ الا قلیل منھم" (سورہ نساء ۶۶:)۔

(اور اگر ہم نے ان پر فرض کردیا ہوتا کہ اپنے آپ کو مار ڈالو یا یہ کہ اپنے وطن سے نکل جاؤ تو اس کو بس تھوڑے لوگ ہی کرتے)۔

اسی طرح دین کی نصرت کی خاطر زبردستی وطن سے نکلنے کو ایثار کا اعلی مرتبہ قرار دیتا ہے، اور یہ بات تاکید کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ جو اپنے وطن سے نکلتا ہے وہ اللہ کی نصرت کا مستحق ہوتا ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا أن یقولوا ربنا اللہ ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ قوی عزیز" (سورۂ حج ۴۰:)۔

(یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، ان کا کوئی جرم نہ تھا، اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار صرف اللہ ہے، اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا تو کسی قوم کی عبادت زمین پر محفوظ نہ رہتی، خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں، مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کبھی کے ڈھائے جاچکے ہوتے، جو کوئی اللہ کی حمایت کرے گا اللہ اس کی مدد ضرور فرمائے گا، بیشک وہ قوت رکھنے والا اور سب پر غالب ہے)۔

لفظ 'موطن' شہر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور وہ ایسی جگہ ہے جس سے انسان شعوری طور پر وابستہ ہوتا ہے اور اس کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں وطن کی محبت پوری طرح راسخ تھی، چنانچہ جب آپ کی قوم آپ کی زندگی کے درپے ہوگئی اور آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تو مکہ کو الوداع کہتے ہوئے فرمایا:

"ما أطیبک من بلد واحبک إلی ولو لا أن قومی اخرجونی منک ماسکنت غیرک" (سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل مکۃ، حدیث نمبر ۳۹۲۶:)۔

اور مدینہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد جب صحابہ کرامؓ کو وطن سے جدائیگی کا غیر معمولی احساس ہوا اور اپنے وطن

مکہ کے لئے ان کا اشتیاق بڑھنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا فرمائی:

"**اللهم حبب إلينا المدينة كحبنا مكة أو أشد**" (صحیح البخاری، کتاب فضائل مدینۃ، باب کراہیۃ النبی ﷺ ان تعری المدینۃ، حدیث نمبر ۱۷۹۰)۔

اسلام کا شہریت سے جو رشتہ ہے وہ اس بات کو لازم قرار دیتا ہے کہ اسے شریعت کے کلی مقاصد اور سماجی تعلقات کے تصور میں تلاش کیا جائے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اسے شرعی نصوص اور فرد کے سماجی نظام سے متعلق جزئی احکام میں تلاش کیا جائے۔

یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ شہریت کے فروغ کے سلسلہ میں اسلام کی کوششیں تمام تر اس کے اس خاص اسلوب سے ہم آہنگ ہیں جو اس نے اخلاقی قدروں کو ثابت کرنے میں اپنایا ہے، وہ اسلوب یہ ہے کہ جس بات کی رہنمائی کی جائے اسے عبادت کے لبادہ میں پیش کیا جائے، تاکہ اللہ کی اطاعت سمجھ کر فرد اسے قبول کرے، اور اس کی عدم ادائیگی اللہ کی معصیت قرار پائے، یہ بات شہریت سے متعلق احکام میں زیادہ لزوم پیدا کرتا ہے، بنسبت اس کے کہ اس میں سے عبادت کا مفہوم نکال دیا جائے، اور یہ اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے جو اس نے معاشرہ کی اصلاح میں اختیار کیا ہے۔

شہریت سے اسلام کا تعلق اس سے بھی پوری طرح واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نئی نئی حلف الفضول" کو پسند فرمایا، اس معاہدہ میں آپ بذات خود اپنے عہد شباب میں شریک ہوئے، اسلام سے قبل قریش نے یہ معاہدہ کیا، اور اس کا نام حلف الفضول اور حلف المطیبین رکھا گیا، اس معاہدہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب قریش کے بعض سربرآوردہ لوگوں نے دیکھا کہ ان کے بعض افراد اپنے سماجی مقام و مرتبہ کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں پر ظلم کرنے لگے ہیں، عاص بن وائل بھی ایسے لوگوں میں تھے، اس نے کسی پردیسی تاجر سے جو مکہ آیا ہوا تھا کچھ تجارتی سامان خریدا، اور پھر قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ قریش عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور تمام لوگوں نے یہ معاہدہ کیا کہ وہ ظالم کے مقابلہ میں ہر مظلوم کے ساتھ متحد ہوں گے، ان لوگوں نے پردیسی تاجر کو قیمت دلوایا، اس معاہدہ میں ان کی روش سے مظلوموں کے ساتھ انصاف کرنے اور ان کے حقوق کا مطالبہ کئے جائے کا اصول ثابت ہوا، خواہ یہ حق قوم کے چودھریوں اور رہنماؤں سے متعلق ہی کیوں نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"**لقد شهدت في دار عبد الله بن جدعان حلفا ما أحب أن لي به حمر النعم ولو ادعى به في الإسلام لاجبت**" (سنن البیہقی ۵۹۶/۵، حدیث نمبر ۱۳۰۸۰)۔

اور جن احکام سے شہریت کے حقوق اور معاشرہ سے تعلق پر اسلام کی توجہ اور خواہش ظاہر ہوتی ہے ان میں یہ بھی ہے کہ عبادت کا خاص تعلق معاشرہ اور اس معاشرہ کے افراد سے ہوتا ہے، گرچہ عبادت ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ

بندہ اپنے رب اور خالق سے تعلق استوار کرتا ہے،عبادت کا معاشرہ اور سماج سے تعلق اس طرح بھی واضح ہے کہ بعض عبادات اسی وقت کامل طریقہ پر ادا ہوسکتی ہیں جب وہ لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ ادا کی جائیں، گویا لوگوں کا ساتھ ہونا اس عبادت کی شرائط میں سے ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"صلاۃ الجماعۃ تفضل صلاۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ" (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ، حدیث نمبر ۶۱۹:)۔

بعض عبادتوں کی ادائیگی دوسروں سے تعلق قائم کرنے پر موقوف ہے، اس کی مثالوں میں یہ ہے کہ اسلام میں توبہ ، اللہ تعالی کی طرف یکسوئی اور بعض گناہوں کے ارتکاب کے بعد اللہ سے تعلق استوار کرنے کے لئے بعض کفارے متعین کیے گئے ہیں، اور یہ کفارے معاشرہ کے کچھ افراد کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کے ذریعہ ہی ادا ہوسکتے ہیں، اس کا طریقہ ان کو کھانا کھلانا، کپڑا پہنانا اور غلامی کے طوق سے آزادی دلانا ہے، کفارہ کی حکمت سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ توبہ اور اللہ سے تعلق کا استوار ہونا معاشرہ کے بعض افراد کے ساتھ گھلنے ملنے اور ان کی تکالیف ومشکلات کو کم کرنے نیز ان کی لغزشوں کو معاف کرنے کے بغیر نہیں ہوسکتا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم ولکن یؤاخذکم بماعقدتم الأیمان فکفارتہ إطعام عشرۃ مساکین من أوسط ماتطعمون أھلیکم أو کسوتھم أو تحریر رقبۃ" (سورہ مائدہ ۸۹:)۔

(اللہ تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا، لیکن جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو ان پر تم سے مواخذہ کرتا ہے، تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو، انہیں کپڑا دینا یا غلام آزاد کرنا ہے)۔

ان سب پر مستزاد یہ کہ متعدد عبادتوں، قربت کے اسباب اور طاعتوں میں دوسروں کو یاد رکھنے کا حکم موجود ہے، مثلاً زکوۃ، اور نفلی صدقات وخیرات وغیرہ، اس طرح کے احکام اتنے زیادہ ہیں کہ دوسرے مذاہب میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمولفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم" (سورہ توبہ ۶۰:)۔

(صدقات تو صرف غریبوں کا اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہے جو ان پر مقرر ہے اور نیز ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور قرضداروں میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی امداد میں اللہ کی طرف سے فرض ہے، اور اللہ بڑا علم والا اور بڑا حکمت والا ہے۔)

مزید یہ کہ اسلام معاشرہ کے تمام عناصر کے ساتھ اجتماعی تکافل کی دعوت دیتا ہے تا کہ معاشرتی ترقی ہو، اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

”وتعاونوا علی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ إن اللہ شدید العقاب“(سورہ مائدہ ۲:)۔

(اورایک دوسرے کی مدد نیکی اورتقوی میں کرتے رہو، اورگناہ اورزیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اوراللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت سزادینے والا ہے)۔

سماجی ومعاشرتی امورمیں شرکت لازم ہونے کی شکلوں میں سے قسامہ کا مسئلہ بھی ہے، جیسا کہ ابن حمزہ نے بیان کیاہے، قسامہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کسی آبادعلاقہ کے کسی محلہ میں کوئی مقتول پایا جائے اورقاتل معلوم نہ ہوتوحکم یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں میں سے پچاس افرادمنتخب کئے جائیں گے جواس بات کی قسم کھائیں گے کہ انہوں نے مقتول کوقتل نہیں کیاہے، اوروہ لوگ قاتل کے بارے میں نہیں جانتے ہیں، اس وقت محلہ کے تمام افراد پرقتل کی دیت لازم ہوگی، اگر یہ کہاجائے کہ جولوگ قتل کاذریعہ نہیں بنے وہ دیت کیوں اداکریں گے، تواس کا جواب یہ ہے کہ محلہ کے لوگوں نے امن فراہم کرنے میں کوتاہی کی ہے، انہیں امن فراہم کرنا چاہیےتھا خواہ پہرے دار رکھ کرہی ہو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امن فراہم کرنے میں پورے معاشرہ کی شرکت ضروری ہے، جس سے وہ سبکدوش نہیں ہوسکتے، موجودہ دورمیں امن قائم کرنے اورسکون فراہم کرنے کے سلسلہ میں بعض آلات بھی آچکے ہیں۔

اسلام جن احکام کے ذریعہ شہریت کی ثقافت اوراجتماعی ذمہ داری کوپختگی عطا کرتا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ اسلام میں فرائض کی دوتقسیم ہے، فرائض کفائی، اورفرائض عینی، فرائض عینی کاتعلق براہ راست افراد سے ہوتا ہے، اورفرائض کفائی کاتعلق سماجی ڈھانچہ سے، اورجب بعض افراداس کوانجام دے دیتے ہیں توبقیہ افراد سے ذمہ ساقط ہوجاتا ہے، لیکن جب معاشرہ کے سارے افراد کوتاہی برتیں توسب کے سب گنہ گار ہوں گے۔

اس بنیاد پرفرائض کفائی کی ادائیگی دراصل پورے معاشرہ کی طرف سے ادائیگی کے قائم مقام ہوتی ہے، اوراس میں وہ تمام سماجی امورشامل ہوتے ہیں جن کی ادائیگی معاشرہ کی ضرورت کے پیش نظر مطلوب ہوتی ہے، خواہ اس ضرورت کاتعلق امن سے ہو، صحت سے ہو، علم سے ہو، ترقی سے ہو، انصاف کے قیام سے ہو، یااسلامی معاشرہ میں بہترزندگی کے تقاضوں کی تکمیل سے ہو۔

اورجن احکام سے شہریت سے متعلق تعلیمات کے فروغ میں اسلام کی خصوصیت کااظہار ہوتا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ اسلام مسلمانوں کواچھائی کی تلقین کرنے اور برائی سے روکنے کولازم قرار دیتا ہے، قرآن کریم نے اس اہم فریضہ

کوامت کی بہتری کا سبب قرار دیا ہے،اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

"كنتم خير امة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله"(سورہ آل عمران ۱۱۰:)۔

سید قطب شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں:

امت مسلمہ کو اس ذمہ داری کا ادراک ہونا چاہیے،اسی صورت میں وہ اپنی حقیقت اور اپنی قدر و قیمت سے واقف ہوسکتی ہے،وہ اس لئے وجود میں لائی گئی ہے کہ وہ انسانیت کے لئے ہراول دستہ بنے،اور قیادت اس کے ہاتھ میں ہو،یہ اس لئے کہ وہ بہترین امت ہے،اور اللہ تعالی کا منشاء یہ ہے کہ اس زمین میں قیادت اچھے افراد کے ہاتھ میں ہو،برے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں،اس لئے یہ بات اس امت کے شایان شان نہیں کہ وہ جاہلی امتوں سے ہدایات اخذ کرے، بلکہ اس کی حالت تو یہ ہونی چاہے کہ وہ ہمیشہ دوسری امتوں کو دینے کی پوزیشن میں ہو،اور ہمیشہ ان کے پاس وہ رہنمائی ہونا چاہیے جو وہ دوسروں کو دے سکے،صحیح عقیدہ،صحیح فکر،صحیح نظام،اچھے اخلاق،صحیح کردار،صحیح معرفت،صحیح علم،یہ وہ فریضہ ہے جو اس کا مقام اور اس کا مقصد وجود اس پر عائد کرتا ہے۔

امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہمیشہ سب سے آگے رہے،اور ہمیشہ قیادت کے مرکز میں رہے،مرکز قیادت میں رہنے کی کچھ ذمہ داریاں ہیں،یہ ذمہ داری محض دعووں سے حاصل نہیں ہوتی،اور نہ یہ منصب بغیر اہلیت کے ملتا ہے،بلا شبہ امت مسلمہ اپنے اعتقادی فکر اور اپنے اجتماعی نظام کے ذریعہ اس منصب کی اہلیت رکھتی ہے،اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ خلافت ارضی کا حق ادا کرتے ہوئے وہ علمی ترقیات اور زمین کی آبادکاری وتعمیر کے ذریعہ اپنی اہلیت قیادت ثابت کرے،یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ امت جس نظام کی علمبردار ہے وہ اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتی ہے اور اس سے ہر میدان میں آگے بڑھنے کا تقاضا کرتی ہے،بشرطیکہ وہ اس کی پابندی کرے،اور اس منصب کے تقاضوں اور اس سے متعلق ذمہ داریوں کے احساس کا ادراک کرے۔

اس منصب کے اولین تقاضوں میں سے یہ ہے کہ امت مسلمہ زندگی کو شر اور فساد سے بچانے لئے اٹھ کھڑی ہو،اور اس کے پاس ایسی طاقت ہو جس کے ذریعہ اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنے کا عمل انجام دے،کہ یہ خیر امت ہے جو لوگوں کی بہتری کے لئے مبعوث کی گئی ہے،امت کا اس منصب پر تقرر کسی رواداری یا اتفاق کی بنا پر نہیں ہوا ہے،اللہ تعالی ان چیزوں سے بہت بلند ہے،اور اللہ تعالی کے یہاں خصوصیات اور اعزازات کی تقسیم اس طرح نہیں ہوتی،جیسے اہل کتاب کہتے تھے:"نحن ابناء الله واحباء ه" کہ ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں،بلکہ امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیا جانا ایک مثبت اور ایجابی عمل ہے،تا کہ امت کے ہاتھوں حیات انسانی کو منکر سے بچایا جائے اور معروف کے

راستہ پر گامزن کیا جائے، اسی کے ساتھ ایمان لازمی ہے، کیونکہ ایمان سے ہی معروف اور منکر کی تحدید وتعیین ہوتی ہے "تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله" (آل عمران ۱۱۰:)۔

خیر امت کی یہ ذمہ داریاں ہیں، جن سے اسے عہدہ برآ ہونا ہے، حالانکہ یہ ذمہ داریاں اپنے ساتھ مصائب ومشکلات لاتی ہیں، یہ راہ کانٹوں سے بھری ہے، دراصل شر کو روکنا، خیر پر آمادہ کرنا اور معاشرہ کو بگاڑ کے اسباب سے روکنا گرچہ دشوار اور تھکا دینے والا ہے لیکن صالح معاشرہ کے قیام، اور اس کی صالحیت کے تحفظ کے لئے ان ذمہ داریوں کا ادا کرنا ضروری ہے، اور اسی طرح زندگی کی وہ شکل قائم وبرپا ہو سکتی ہے جسے اللہ تعالی پسند کرتا اور محبوب رکھتا ہے (فی ظلال القرآن، ۱/ ۴۴۷)۔

جس معروف کی طرف مسلمانوں کو دعوت دینا ضروری ہے اس میں ہر طرح کے انفرادی اور اجتماعی مصالح کی تکمیل شامل ہے، اور اسی میں ذمہ داری کو ادا کرنے کی دعوت، علم حاصل کرنے کی دعوت، وطن سے متعلق حقوق کی ادائیگی کی دعوت اور اخلاقی قدروں کی پابندی کی دعوت بھی ہے، اور منکر سے روکنے میں تمام دینی منکرات اور شرعی محرمات کے ساتھ دنیوی منکرات بھی شامل ہیں، اور انہی میں ہر طرح کے انتظامی، اخلاقی ومعاشی فساد وبگاڑ اور شعبہ کو نقصان پہونچانے کی ہر صورت اور ماحول کے اجزاء ترکیبی کو تباہ کرنے کی ساری شکلیں، اس کے علاوہ وہ تمام ناشائستہ حرکتیں اور فساد وبگاڑ کی شکلیں جن کا مسلمان اپنے رضا کارانہ اعمال کو انفرادی یا اجتماعی طور پر انجام دینے، بازاروں اور پیشوں کے لئے محتسب اور نگرانوں کی تقرری میں ارتکاب کرتے ہیں، شامل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شہریت سے متعلق اسلامی تصور اور مغربی تصور کے درمیان واضح فرق ہے، مغربی تصور میں شہریت کا مفہوم انفرادی فلسفہ پر منحصر ہے، جو فرد کو خاص اہمیت دیتی ہے، (بایں طور کہ مغربی قانون کی تشکیل میں فرد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے) جبکہ شہریت کا اسلامی تصور جماعت کے اس مفہوم پر انحصار کرتا ہے جو دینی توجہ کی بنیاد اور اصل ہے، تمام عملی اور فکری میدانوں میں فرد سے زیادہ جماعت پر توجہ دی گئی ہے، گذشتہ صفحات میں بعض عبادات اور معاملات کی مثالیں گزری ہیں وہ اس کی بہترین مثال ہیں۔

۲ — مدینہ کا معاہدہ نامہ اور شہریت:

معاہدہ نامہ، میثاق مدینہ، حضرت محمد ﷺ کا مکتوب گرامی، مدنی قانون، مدنی معاہدہ، ان تمام ناموں سے اس مدنی اور تاریخی دستاویز کا ذکر ملتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے اور وہاں اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت تشکیل دینے کے بعد مدینہ کے مختلف عناصر کے درمیان تعلقات مضبوط کرنے لئے اساسی طور پر وضع فرمایا تھا، یہ

ڈھانچہ مہاجرین وانصار جو مدینہ میں مسلمانوں کی جماعت کے دوعظیم ستون تھے، اور یہود اور بقیہ بت پرستِ عرب پر مشتمل تھا، یہ دستاویز ایک ایسے معاہدہ، قانونی اور حقوقی دستاویز کی نمائندگی کرتا تھا جو مدنی معاشرہ کی مختلف جماعتوں کے درمیان معاشرتی تعلق، اس کے ضوابط اور اس کے حدود کو متعین کرتا تھا، نیز مدینہ کی ہر جماعت کے لئے حقوق اور ذمہ داریوں کی تشکیل کرتا تھا، اسی طرح یہ دستاویز شہریت کی بنیاد اور اس کی ذمہ داریوں اور مختلف عقائد اور قومیت کے احترام کو موکد کرتا تھا۔

اسی طرح مدنی دستاویز کی حیثیت ایک ایسے اصول کی ہے جس سے بین الاقوامی قانون سے متعلق نصوص کی بہت سے جزئیات نکلتی ہیں، نیز عقائد اور وطن کے فرق کے باوجود مختلف جماعتوں اور قوموں کے درمیان تعلقات کی تنظیم ہوتی ہے۔

اس معاہدہ کی مکمل عبارت اس طرح ہے:

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یہ دستاویز محمد (ﷺ) جو نبی ہیں کی طرف سے قریش اور اہل یثرب کے مومنین اور اطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں یا ان کے ساتھ شامل ہوجائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں، کے درمیان ہے۔

۱۔ دوسرے لوگوں کے بالمقابل وہ ایک امت (سیاسی وحدت) ہوں گے۔

۲۔ قریش کے مہاجر قبل اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے، اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے، تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۳۔ اور بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے، اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۴۔ اور بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے، اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۵۔ اور بنی ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے، اور ہر گروہ اپنی قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۶۔ اور بنی جشم اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے، اور ہر گروہ اپنی قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۷۔ اور بنی نجار اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے، اور ہر گروہ اپنی قیدی خود فدیہ دے

کر چھڑائے گا، تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۸۔ اور بنی عمرو بن عوف اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے، اور ہر گروہ اپنی قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۹۔ اور بنی النبیت اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے، اور ہر گروہ اپنی قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۰۔ اور بنی اوس اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے، اور ہر گروہ اپنی قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، تاکہ مومنین کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۱۔ اور مسلمان کسی مفلس اور زیر بار کو مدد دئے بغیر نہیں چھوڑیں گے تاکہ اس کا فدیہ یا خون بہا بخوبی ادا ہو سکے۔

۱۲۔ اور کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولی سے معاہدہ نہیں کرے گا۔

۱۳۔ اور متقی مومن ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی کرے، جو ظلم یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو، یا مسلمانوں کے درمیان فساد پھیلائے، ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔ اور مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کی خاطر قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کافر کی مدد کرے گا۔

۱۵۔ اور خدا کا ذمہ ایک ہی ہے، مسلمانوں میں ادنی فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا، اور مومنین دوسرے لوگوں کے مقابلے میں باہم بھائی ہیں۔

۱۶۔ اور یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا اسے مساوات حاصل ہوگی، نہ اس پر ظلم ہوگا اور نہ اس کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۱۷۔ مومنین کی صلح ایک ہی ہوگی، اللہ کی راہ میں کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا جب تک کہ یہ صلح سب کے لئے برابر نہ ہو۔

۱۸۔ وہ تمام لوگ جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے وہ ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے۔

۱۹۔ اور مومنین اس کا بدلہ لیں جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پہونچے۔

۲۰۔ اور متقی مومنین سب سے بہتر راہ اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

۲۱۔ اور کوئی مشرک قریش کے مال اور جان کو پناہ نہیں دے گا، اور نہ مومن کے لئے اس سلسلہ میں رکاوٹ

بنے گا۔

۲۲۔اور جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت بھی مل جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس صورت کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام مومنین اس کی تعمیل کے لئے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لئے کوئی صورت نہ ہوگی۔

۲۳۔اور کسی مومن کے لئے جو اس دستاویز کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہو، نیز خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو، جائز نہیں ہے کہ کسی فتنہ اٹھانے والے کی مدد کرے، یا اسے پناہ دے، جو اسے پناہ دے گا قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور غضب کا مستحق ٹھہرے گا، اور اسے کوئی فدیہ یا بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

۲۴۔اور جب تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف پیدا ہوگا تو اللہ تعالی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۲۵۔اور یہود جب تک مومنین کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں مصارف بھی برداشت کرتے جائیں گے۔

۲۶۔اور بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ ایک امت تسلیم کئے جائیں گے، یہودی اپنے دین پر رہیں، مسلمان اپنے دین پر، خواہ موالی ہوں یا اصل، البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانہ کے سوا کسی کو ہلاکت وفساد میں نہیں ڈالیں گے۔

۲۷۔اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۸۔بنی حارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۹۔اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۰۔اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۱۔اور بنی اوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۲۔اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو، البتہ جو ظلم یا جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مبتلائے ہلاکت وفساد نہیں ہوگا۔

۳۳۔اور جفنہ بھی بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں، انہیں بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۴۔اور بنی شطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو، وفاشعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔

۳۵۔اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۶۔اور یہودیوں کے قبائل کو شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۷۔اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر جنگ کے لئے نہیں نکلے گا۔

۳۸۔اورزخم کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی، جو شخص خونریزی کرے تو ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی، بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو، اللہ ان کے ساتھ ہے۔

۳۹۔ یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے۔

۴۰۔ جو کوئی اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کے خلاف جنگ کرے تو وہ یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے، وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی پر عمل پیرا رہیں گے، اور باہم مشورہ کریں گے، وفا ان کا شیوہ ہوگا نہ کہ بدعہدی۔

۴۱۔ کوئی شخص اپنے حلیف کی بدعملی کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کو بہر حال مدد دی جائے گی۔

۴۲۔ یہودی اس وقت تک مصارف برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ میں شریک رہیں گے۔

۴۳۔ یثرب کا میدان اس دستاویز کو ماننے والوں کے نزدیک مقدس ہوگا۔

۴۴۔ پناہ گزیں سے ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ اصل پناہ دہندہ سے ہو رہا ہو، نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے اور نہ وہ کسی جرم کا مرتکب ہوگا۔

۴۵۔ کسی عورت کو اس کے کنبے والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

۴۶۔ اس دستاویز کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جس پر فساد رونما ہونے کا خوف ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا، اس دستاویز میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو اس پر زیادہ احتیاط اور وفاداری پسند ہے۔

۴۷۔ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو اس کا معاون ہو۔

۴۸۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو ان (معاہد فریقوں یعنی یہودیوں اور مسلمانوں پر)ایک دوسرے کی امداد و نصرت لازم ہوگی۔

۴۹۔ اگر انہیں صلح کر لینے اور اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی جائے گی تو یہ اسے قبول کر لیں گے اور شریک ہوں گے، اسی طرح وہ کسی کو صلح کے لئے بلائیں گے تو اسے قبول کریں گے اور مسلمانوں پر بھی قبول کرنا لازم ہوگا، بجز اس صورت کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔

۵۰۔ ہر شخص کے حصے میں اس کی مدافعت آئے گی جو اس کے بالمقابل ہوگا۔

۵۱۔اوراس کے یہودیوں کوخواہ اصل ہو یا موالی وہی حقوق حاصل ہوں گے جواس دستاویز کے ماننے والوں کوحاصل ہے، بشرطیکہ اس دستاویز کے شریکوں کے ساتھ اچھا برتاؤ ہو۔

۵۲۔اوروفاداری عہدی شکنی سے مانع ہوگی، ہرشخص کے کئے دھرے کا نقصان اسی پر ہوگا، اوراللہ اس شخص کی حمایت اس کے ساتھ ہوگا جواس دستاویز کے مشمولات پرزیادہ سچائی اورزیادہ وفاداری سے قائم رہیں گے، اور یہ دستاویز کسی ظالم یا مجرم کے آڑے نہیں آئے گا۔

۵۳جوشخص جنگ کے لئے نکلے وہ بھی اور جوشخص گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا، صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جوظلم یا جرم کے مرتکب ہوں گے، اوراللہ اس شخص کا حامی ہے جوعہدوا قرار میں وفاشعاراور پرہیزگار ہے، اوراللہ کے رسول محمد ﷺ بھی اس کے حامی ہیں (سیرت ابن ہشام، ازعبدالملک بن ہشام ۲/ ۳۶۸، ۳۷۰)۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد کے بعدوہاں مذہب وعقیدہ اورقبائلی وخاندانی نسبت اورطرززندگی کے اعتبار سے متنوع صفت مجموعہ تشکیل پایا، چنانچہ اس مجموعہ میں قریش کے مہاجرین، اوس وخزرج کے مسلمان، اوس وخزرج کے بت پرست، اوس وخزرج کے یہود، اور یہودیوں کے تین قبائل: بنوقینقاع، بنونضیر، اوربنوقریظہ، مدینہ کے باشندے اعرابی، ان کے موالی، غلام اورحلفاء تھے، ان سب کا ذریعہ معاش جدا جدا تھا مثلاً تجارت، زراعت، صنعت وحرفت، غلہ بانی، شکار، لکڑی چننا وغیرہ، بلاشبہ مدنی دستاویز کے مطابق جس نبوی نمونہ کی تشکیل کا آغاز ہوا وہ دو باہم موافق سمتوں میں بٹا ہوا تھا، ایک سمت ان مسلمانوں سے متعلق تھا جواللہ اوراس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے تھے اوراللہ کی شریعت کے سامنے سرتسلیم خم کئے ہوئے تھے، اسی پر عمل کرتے تھے، اوراپنی زندگی میں منطبق کرتے تھے، جبکہ دوسری سمت مسلمانوں ،اوس وخزرج اوراہل کتاب سے متعلق تھی جن میں باہم امن کی بنیاد پر اتحاد تھا(السیرۃ النبویۃ، از: مروان الشیخ الارض، ص ۲۳: ، ۲۴)۔

میثاق مدینہ چارمحاور پر مشتمل تھا:

اول: مدینہ کے تمام باشندوں کے درمیان اجتماعی امن وامان اور پرامن بقائے باہم، اورنفس کے تحفظ کی طرح پڑوس کے حق کا بھی تحفظ کیا گیا۔

دوم: تمام باشندوں کے لئے عقیدہ کی آزادی کی ضمانت، یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہے ”للیھود دینھم وللمسلمین دینھم“ یہ دراصل قرآن کا دیا ہوا حق ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم

ان اللہ یحب المقسطین"(سورہ ممتحنۃ ۸)۔

اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو دین کے لئے تم سے لڑے نہیں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ ان سے بھلائی اور انصاف کا سلوک کرو، بیشک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سوم: مدنی معاشرہ میں تمام باشندوں کے لئے انصاف اور برابری کا تحقق، جو زندگی کے مختلف میدان میں موثر شرکت کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔

چہارم: انفرادی ذمہ داری کے قاعدہ کا اقرار، اور اس ذمہ داری کی اساس و بنیاد نظام کا اظہار اور اس پر اتفاق رائے ہے، دستاویز کی یہ شق اس بات کی تاکید کرتی ہے: "**وإن البر دون الاثم لا یکسب کاسب الا علی نفسه وان اللہ علی اصدق مافی هذه الصحیفة وابره انه لا یحول هذا الکتاب دون ظالم وآثم**"

میثاق مدینہ پہلا دستور شمار کیا جاتا ہے جو حقیقی شہریت کے مفہوم کو متعین کرتا ہے، اس طور پر کہ اس میں شہریت کے حقوق اور مکمل شہریت (جس میں مسلمان مدینہ منورہ کے دوسرے باشندوں کے ساتھ برابری کا حق رکھتے ہیں) کی بنیاد پر عائد ہونے والی ذمہ داریاں وضع کی گئی ہیں، یہ بات اس دستاویز کے سرنامہ سے ہی ظاہر ہوجاتا ہے، "**هذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین المومنین والمسلمین من قریش ویثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم**"

اس جملہ میں ان اہل کتاب کو جو مسلمانوں کے وطن کے ارد گرد رہتے تھے شہری قرار دیا گیا، اور یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہوں گے، بشرطیکہ وہ شہریت کی بنیاد پر عائد ہونے والے حقوق کی ادائیگی کرتے رہیں، چنانچہ دستاویز کے مطابق دین کا فرق شہریت سے محرومی کا سبب نہیں ہے، اسی طرح جو ان کے ساتھ شریک ہوجائیں ان کو بھی اس قوم کا فرد اور اسلامی مملکت کا شہری قرار دیا گیا ہے۔

معروف اسلامی مفکر محمد عمارۃ تحریر کرتے ہیں:

اسلام اس دوسرے طبقہ سے صرف ایک چیز چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ دوسرا طبقہ اسلامی حکومت کی ملکی وتہذیبی امن کی دیوار کی اینٹ ثابت ہو، اور اس کی مکمل وفاداری حکومت اور وطن کے لئے ہو، اور اس کی نسبت خالص امت کی طرف ہو جس کا وہ بنیادی حصہ ہے، اور کسی بھی دشمن کو فائدہ پہونچانے کا ذریعہ نہ بنے (حقائق وشبهات حول السماحة الاسلامیة وحقوق الانسان ر ۳۲)۔

خلاصہ یہ کہ میثاق مدینہ نے شہریت کے حق کے لئے جدید بنیاد تشکیل دی، جو دو مثبت عناصر سے مرکب ہے، پہلا عنصر وطن کی طرف نسبت ہے، اور دوسرا عنصر معاہدوں اور معاملات سے وفاداری ہے۔

وطن کی طرف نسبت قبیلہ یا گروہ کی طرف نسبت سے الگ ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے شہریت کی بنیاد ایسی ثابت

شدہ نصوص پر ہے جو انسان کے حقوق اور اس کی کرامت وآزادی پر مبنی ہے، نیز یہ انسانوں کے درمیان مساوات اور شہریوں اور معاشرہ کے افراد کے درمیان باہمی تعاون واتحاد اور عمومی صلاح کے فروغ اور مفاسد سے اجتناب کو پختہ کرتا ہے۔

چنانچہ معاہدہ مدینہ منورہ شہریت کی بنیاد فراہم کرتا ہے، لیکن اس سے قبل وہ دین کی مختلف جماعتوں کو اور مختلف مشرب کے لوگوں کو ایک امت اور ایک معاشرہ بنا چکا تھا۔

پھر دار الاسلام سے مکمل وفاداری کے عوض جو چیز ملتی ہے وہ حقوق، آزادی اور ذمہ داریوں میں مساوات ہے، یہیں سے شہریت کے اسلامی تصور اور مغربی تصور کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے، کہ مغرب میں شہریت سیکولرزم کی بنیاد پر کھڑی ہے، جبکہ اسلام نے جس شہریت کی وضاحت چودہ سو سال پہلے کی، اس کا سرچشمہ اور ستون دین ہے، اور شہریت دین کے ساتھ کبھی متصادم نہیں ہوتا، چنانچہ اللہ کے حقوق کے لئے اسلامی معاشرہ کا ہر طبقہ اور اس کی نظریات کو اللہ تعالی کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، اور اسلام اس کو اپنے اندر داخل ہونے پر مجبور نہیں کرتا، اور جہاں تک بندوں کے حقوق کی بات ہے تو تمام لوگوں کے مصالح کے تحفظ اور مفاسد کو ختم کرنے کے لئے اسلام اپنے قوانین اور معاملات کے ذریعہ دخل اندازی کرتا ہے، تاکہ معاشرہ کی رفتار کو منضبط کیا جائے۔

مزید یہ کہ میثاق مدینہ کی اہمیت اس کے صحیح طریقہ پر نازل ہونے اور حقیقی دنیا میں منطبق ہونے سے بھی ظاہر ہوتی ہے، یعنی مختلف عقائد، جنس اور قبائل کے افراد کے درمیان پرامن بقائے باہم کا اسلامی نظریہ کی اس طرح تطبیق عمل میں آئی کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اس پوری مدت میں کسی یہودی کی زبان پر حرف شکایت نہیں آیا، اور ان کے درمیان اور مسلمانوں کے درمیان جو متوازن معاشرتی وحدت تھی اس میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوا، گرچہ یہودی اسلامی معاشرہ کے اندر خفیہ سازشوں کے تانے بانے بنتے رہے، کبھی عصبیت کو ہوا دے کر، کبھی جاہلی نعرے بلند کر کے، اور کبھی جاہلیت کے خونی کینہ توزیوں کو بڑھاوا دے کر، اس کے علاوہ وہ لوگ مستقل مسلمانوں کے ذہنوں میں دین کے حوالہ سے شکوک وشبہات کے کانٹے بونے کی کوشش کرتے رہے، اور اس سلسلہ میں سب سے خطرناک اقدام رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول سے خفیہ پینگیں تھیں، لیکن ان سب کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ غیر مسلموں کا اکرام کرتے رہے، آپ ان کی گفتگو کو توجہ سے سنتے، اور ان کی شکایات کو جو ایک دوسرے کے خلاف ہوتی پورے شرح صدر، کشادہ قلبی اور ذمہ داری کے ساتھ سماعت فرماتے، یہاں تک کہ انہیں تورات میں مذکور شرعی احکام پر لوٹاتے، تاکہ ان کے بارے میں کوئی ایسا اسلامی حکم نازل نہ ہو جائے جس سے وہ واقف نہ ہوں۔

سچائی یہی ہے کہ شہریت ملک کے باشندوں کی صفت ہے جو حقوق سے مستفید ہوتے ہیں اور وطن سے نسبت کی

بنیاد پر قانون اوردستور کی طرف سے عائد ذمہ داریوں کوادا کرتے ہیں، چنانچہ ہر شہری کو کچھ معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اورعلمی حقوق حاصل ہوتے ہیں ،ملکی نظام ان حقوق کی ضمانت دیتا ہے،مثلا عقیدہ کاتحفظ،نفس کاتحفظ،اہل وعیال کاتحفظ،عزت وناموس کاتحفظ،اموال وملکیت کاتحفظ،تعلیم علاج ومعالجہ کی فراہمی،مہذب زندگی ،عدل وانصاف کاقیام،شخصی آزادی، نیز ملکیت کی آزادی،عمل کی آزادی، مذہب کی آزادی، رائے وتقریر کی آزادی،اورایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی آزادی وغیرہ۔

اسی طرح شہریوں کے لئے وطن اورمعاشرہ کے تئیں(جہاں وہ رہتا ہے اورجس کی طرف نسبت کرتا ہے) کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، ان ذمہ داریوں کا خلاصہ اس طرح ہے: دستوروقانون کا احترام،عمومی نظام کا احترام، وطن کا دفاع، اس کی سرحدوں کی حفاظت میں شرکت، اقتصادی،علمی اورمعاشرتی ترقی میں شرکت،ملکی سرمایہ کی حفاظت، معاشرہ کے افراد کے درمیان باہم محبت والفت تا کہ سکون واطمینان کی فضاء قائم رہے، وطن کے ساتھ خیانت نہ کرنا، ملک دشمنوں کے ساتھ عدم تعاون، ان کو پناہ نہ دینا اوران کے مصالح کی خاطر جاسوسی سے احترازوغیرہ۔

دوسرا محور: اسلام اوربین الاقوامی قانون میں پناہ گزینوں کے حقوق:

اللہ تعالی کاارشاد گرامی ہے:

”إن الذین توفاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم کنامستضعفین فی الأرض قالوا ألم تکن أرض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فأولئک مأواھم جھنم وسائت مصیرا“ (سورہ نساء۹۷:)۔

(بے شک ان لوگوں کی جان جنہوں نے اپنے او پر ظلم کررکھا ہے، جب فرشتہ قبض کرتے ہیں تو ان سے کہیں گے کہ تم کس کام میں تھے، وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے، فرشتہ کہیں گے کہ اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرجاتے، تو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اوروہ بری جگہ ہے)۔

شہریت کے حقوق میں ایک حق یہ بھی ہے کہ آدمی کسی بھی وجہ سے دوسرے ملک کو جائے یا وہاں قیام کرے، یہ حق اسلامی شریعت کی طرف سے مسلم اوربین الاقوامی قوانین معاہدوں اورعالمی اعلامیہ سے بھی ثابت شدہ ہے۔

چنانچہ ہرانسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے اندر یا ملک کے باہر جہاں چاہے آئے جائے، اس کی یہ آزادی کوئی چھین نہیں سکتا، بلکہ اسلام ظلم کے وقت اورجب انسانی حقوق کا پاس ولحاظ ختم ہوجائے تب دوسرے ملک جانے کی اجازت دیتا ہے،لیکن اسی کے ساتھ اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ کسی فرد کووطن چھوڑنے یا اس سے دورہونے پر مجبور کیا جائے، سوائے کسی عذرشرعی کے، اللہ عزوجل کاارشاد ہے:

”یسألونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصدعن سبیل اللہ وکفربہ والمسجد

الحرام وإخراج أهله منه اكبر عند الله و الفتنة اكبر من القتل" (سورہ بقرہ۲۱۷:)۔

(اور آپ سے حرمت والے مہینوں کی بابت اس میں قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اس میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے، اور اس سے کہیں بڑے جرم اللہ کے نزدیک اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام سے روک دینا اور اس سے اس کے رہنے والوں کو نکال دینا ہیں)۔

اسی طرح قرآن نے ان مہاجرین پناہ گزینوں کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے جنہوں نے وطن چھوڑنے کو ترجیح دی، اور اپنے عقیدہ اور دین کی حفاظت کی خاطر مال ومتاع کو قربان کیا، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"**الذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله بأموالهم وأنفسهم أعظم درجة عند الله وأولئك هم الفائزون**" (سورہ توبہ۲۰:)۔

(اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد اپنے مال اور اپنی جان سے کیا، وہ درجہ میں بہت بڑے ہیں اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ کامیاب ہیں)۔

اسلام میں اصول یہ ہے کہ دار الاسلام ہر مسلمان کا وطن ہوتا ہے، چنانچہ ملک کے اندرون میں کہیں جانے یا رہنے کے حق کو محدود کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ ہر اسلامی ملک پر لازم ہے کہ وہ ہر مسلمان کو اپنے ملک میں آنے یا رہنے کی بغیر سیاسی حد بندیوں کے اجازت دے۔

بلکہ پناہ گزین اپنے عقیدہ، نسبت اور وطنیت کے فرق کے باوجود ان تمام حقوق سے مستفید ہوں گے جن کی ضمانت اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قوانین میں دی گئی ہے، کوئی ملک جو پناہ دینے کے حق سے اتفاق کرتا ہو وہ اس حق کو بدل نہیں سکتا اور نہ ہی بغیر کسی معقول سبب کے اس سے انکار کرسکتا ہے، کیونکہ وہ معاہدہ ۱۹۵۱ء اور اس معاہدہ کو مکمل کرنے والا پروٹوکول ۱۹۶۷ء (یہ دونوں پناہ گزینوں کے مرکز سے متعلق ہیں) پر دستخط کرچکا ہے، چہ جائیکہ معاہدہ جنیوا ۱۹۴۹ء، اور دو اضافی پروٹوکول ۱۹۷۷ء، اور انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ ۱۹۴۷ء وغیرہ، جہاں دنیا کے اکثر ممالک کے دستور نے فیصلہ کیا کہ ہر ملک کو اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کے عالمی منشور کے ضابطہ کے مطابق عمل کرنے کا پابند بنایا جائے۔

پناہ گزینی کا مفہوم کیا ہے؟ اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں، نیز پناہ گزینوں کے حقوق کیا ہیں؟ ان باتوں کو ہم اس محور میں بیان کریں گے:

۱۔ پناہ گزینی (پناہ کے عمل) کی تعریف:

پناہ کے عمل کے لئے عربی میں 'اللجوء' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، لفظ 'اللجوء' مشتق ہے لفظ

'لجأ' سے، کہا جاتا ہے: **لجأت إلى فلان وعنه، والتجأت وتلجأت** (میں نے کسی کا سہارا لیا، فلاں سے تقویت حاصل کی، یا ایک کی طرف سے دوسری طرف رجوع کیا)، اسی طرح کہا جاتا ہے: **ألجاه الى الشئى** (کسی بات پر مجبور کرنا) **ألجاه** (مامون ومحفوظ کرنا) وغیرہ، گویا اس مفہوم میں لفظ 'اللجوء' نی میں نکلنے اور تنہا ہونے کی طرف اشارہ ہے (دیکھئے: لسان العرب، از ابن منظور ۱/۱۵۲، مادہ لجأ)۔

اور اصطلاح میں پناہ گزیں ہر ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس کی زندگی، یا سلامتی یا آزادی خطرے میں ہو، ایسی حالت میں اسے پناہ کی جگہ تلاش کرنے کا حق ہے (القانون الدولی العام، علی صادق ابو ہیف، ص ۲۴۹:)۔

اور پناہ گزیں کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"**کل شخص هجر موطنه الأصلي أو أبعد عنه بوسائل التخويف فلجاإلى إقليم دولة أخرى طلباللحماية أو لحرمانه من العودة الى وطنه الاصلى**" (مبادی القانون الدولی العام، محمدی حافظ غانم، ص ۵۴:)۔

ہر وہ شخص جو خوف کی وجہ سے اپنے وطن اصلی کو چھوڑ دے یا اس سے دور ہو جائے، اور تحفظ کی تلاش میں یا اپنے وطن اصلی کی طرف واپسی سے محروم ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے ملک کی پناہ لے۔

اور جہاں تک قرآنی اصطلاح کی بات ہے تو قرآن میں یہ لفظ صراحت کے ساتھ نہیں آیا ہے، لیکن مختلف آیات میں اس کا مفہوم موجود ہے، جیسے لفظ استجارہ، استئمان، ہجرۃ، ابن السبیل وغیرہ، اس کی تفصیل اس طرح ہے:

الاستجارہ: امن طلب کرنا، جیسا کہ اللہ کے اس ارشاد میں ہے:

"**وإن احد من المشركين استجارک فأجره حتى يسمع كلام الله ثم أبلغه مأمنه ذلک بأنهم قوم لايعلمون**" (سورہ توبہ ۶:)۔

(اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الٰہی سن سکے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہونچا دیجئے، یہ حکم اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے)۔

المستامن: امن طالب کرنے والا، یعنی ایسا شخص جو بیت اللہ شریف کی پشت پناہی حاصل کرنے کے ارادہ سے اس کی پناہ لے، اسلامی شریعت اس طرح کے تحفظ سے آگاہ ہے، اس پر قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت شاہد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"**وإذ جعلنا البيت مثابة للناس وأمنا**" (سورہ بقرہ ۱۲۵:)۔

(اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے ایک مقام رجوع اور مقام امن قرار دیا)۔

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی اس کی دلیل ہے:

”**ومن دخل المسجد فهو آمن**“(سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفی والامارۃ، باب ماجاء فی خبر مکۃ، حدیث نمبر: ۳۰۲۲، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے)۔

اور حضرت ام ہانی بنت ابی طالب سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ:

”**ذهبت الى رسول الله ﷺ عام الفتح فوجدته يغتسل وفاطمة ابنته تستره، قالت: سلمت عليه فقال: من هذه، فقلت انا أم هانى بنت أبى طالب، فقال: مرحبا بأم هانى فلمافرغ من غسله قال: فصلى ثمانى ركعات ملتحفا فى ثوب واحد، فلما انصرف قلت: يارسول الله زعم ابن أمى أنه قاتل رجلا قد أجرته فلان ابن هبيرة فقال رسول الله ﷺ: قد أجرنا من اجرت يا ام هانى، قالت أم هانى: وذاك ضحى**“(صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی ثوب واحد، حدیث نمبر ۳۵۰)۔

الہجرۃ: صحابہ کی پہلی جماعت نے طرح طرح کے تکالیف، ظلم وستم اور اللہ کے راستہ سے روکے جانے پر حبشہ کی طرف ہجرت کی، جبکہ ان کے پاس قوت وطاقت نہیں تھی جس سے وہ اپنا تحفظ کرسکیں، چنانچہ کمزور مسلمان مرو عورت نے دومرتبہ حبشہ ہجرت کی، اس کے بعد باقی مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

”**والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنات تجرى تحتها الأنهار خالدين فيها أبدا ذلك الفوز العظيم**“(سورہ توبہ ۱۰۰)۔

(مہاجرین وانصار میں سے جو سابق ومقدم ہیں اور جتنے لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے)۔

نیز اللہ عزوجل کا یہ ارشاد گرامی:

”**للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون**“(سورہ حشر:۸)۔

(ان مفلس مہاجروں کے لئے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اپنی جائیدادوں سے بے دخل کئے گئے وہ اللہ اور اس کے رسول کا فضل اور رضامندی تلاش کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں)۔

ابن السبیل: اللہ تعالی فرماتے ہیں:

”**وآت ذا القربى حقه والمسكين وابن السبيل ولا تبذر تبذيرا**“(سورہ اسراء:۲۶)۔

ابن السبیل سے مراد ایسا اجنبی مسافر جو راستہ بھول چکا ہو اور اپنے گھر واپس ہونا چاہتا ہو، لیکن اس کے پاس

اتنا مال نہ ہوجس سے وہ گھر پہونچ سکے، چنانچہ ایسے شخص کے لئے صدقات سے ایک حصہ متعین ہے،جمہور فقہاء کی نظر میں ابن السبیل ایسا شخص ہے جو اپنے شہر سے دوسرے شہر میں داخل ہو چکا ہو(فقہ الزکوۃ، از علامہ یوسف القرضاوی ۱/ ۶۷)۔

۲۔بین الاقوامی قوانین میں پناہ گزینی کے اسباب:

پناہ گزینوں سے متعلق اقوام متحدہ کے معاہدہ ۱۹۵۱ء اور ملکی پناہ کیمپ سے متعلق اقوام متحدہ کے پروٹوکول میں پناہ گزینی کے اسباب کی تفصیل آئی ہے، جو اس طرح ہے:

۱۔ظلم وستم کے نتیجہ میں پیدا شدہ خوف، جس کی وجہ سے آدمی ایسی جگہ کی تلاش کرے جہاں اسے امن وامان ملنے کی امید ہو۔

۲۔زندگی اور آزادی خطرے میں پڑنے اور بین الاقوامی ڈکلریشنوں اور دستاویز سے ثابت شدہ انسانی حقوق کی پامالی کے نتیجہ میں پیدا شدہ ظلم وزیادتی۔

۳۔معاملات، آزادی، حقوق اور ذمہ داریوں میں امتیازی سلوک، جس کے نتیجہ میں امان کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔

۴۔جنسیت، اور جماعتی تعدد: یعنی ایسی جماعت کا فرد ہو جو وہاں کی اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت میں ہو، اور اپنے حقوق کی پامالی اور آزادی سلب کئے جانے سے دوچار ہو۔

۵۔دین، یعنی وہ عقیدہ جس پر انسان ایمان رکھتا ہے اور دینی آزادی جس کی ضمانت بین الاقوامی ڈکلریشنوں اور عالمی دستاویزات میں دی گئی ہے۔

۶۔کسی متعین جماعت سے انتساب، بایں طور کہ حکمران جماعت اور بعض رعایا کے درمیان بے اعتمادی ہو اور سیاسی یا فکری جماعت سے وابستگی کی وجہ سے حکمراں جماعت سے وفاداری نہ ہو، جس کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔

۷۔سیاسی نقطہ نظر، یعنی سیاسی نظام کی آراء کے خلاف جداگانہ رائے قائم ہو جو ظلم وزیادتی اور تعاقب کا خوف پیدا کرے، البتہ عملی حقوق کی پامالیوں کے ذریعہ اس طرح کے اندیشوں کے لئے جواز پیدا ہونا ضروری ہے، جیسے تنگ کرنا، صفایا کرنا اور قید وبند میں ڈالنا وغیرہ۔

۳۔اسلامی شریعت میں پناہ گزینوں کے حقوق:

اسلامی شریعت نے پناہ گزینوں کو حقوق اور ذمہ داریاں عطا کرکے، ان کی طرف توجہ کرکے، انہیں تحفظ فراہم کرکے، ان کے دین، جان ومال، عزت وآبرو، ان کی عقل اوران کی نسل کو تحفظ فراہم کرکے انہیں بلند مقام سے نوازا ہے۔

بلکہ اسلامی شریعت نے پناہ گزینوں کو ایسے حقوق عطا کیا ہے جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کے لئے مناسب ہے، اس طرح اسلامی شریعت کو دیگر قوانین پر فوقیت حاصل ہے، اسی بنیاد پر ایک جدید مطالعہ (جس کی نگرانی اقوام متحدہ میں پناہ گزینوں کے حقوق سے متعلق اعلی کمیٹی نے امیر نایف عربی یونیورسیٹی اور تنظیم اسلامی کانفرنس کے تعاون سے انجام دی ہے) نے یہ انکشاف کیا ہے کہ اسلامی شریعت کے مصادر پناہ گزینوں سے متعلق حقوق کی قانون سازی میں سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی ہے، ان قوانین سے پوری دنیا میں لکھوکھا پناہ گزیں مستفید ہو رہے ہیں، اس مطالعہ میں اسلامی شریعت اور پناہ گزینوں کے بین الاقوامی قانون کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے۔

اعلی کمیٹی کے نمائندہ ئی انٹونیو جوٹر یزنی نے بتا کہ تنظیم نے اسلام کے عطا کردہ حقوق سے ہی استفادہ کر کے قانون کی بنیاد بنائی ہے، مثلا پناہ گزینوں کو امان فراہم کرنا، اور انہیں ان مصائب میں دوبارہ نہ دھکیلنا جن سے وہ بھاگے ہیں، مزید یہ کہ پناہ گزینوں کے تحفظ میں غیر مسلم بھی شامل ہیں، جنہیں اسلام اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کرتا ہے، اسلام ان کے حقوق کے بدلے ان کا سودا نہیں کرتا، بلکہ اسلام انہیں اور ان کی جائیداد کو تحفظ فراہم کرتا ہے، اور اس کے خاندانی شیرازہ کو بکھرنے سے بچاتا ہے، اور یہ سب کچھ اسلام چودہ سو سال سے کر رہا ہے۔

جوٹر یز مسلمان پناہ گزینوں کے تئیں نسل پرستی کو ختم کرنے اور اسلام کو صحیح طریقہ سے سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں، نیز وہ بتاتے ہیں کہ بین الاقوامی سماج کی ذمہ داری ہے کہ پناہ گزینوں کے لئے اسلام نے جن حقوق کی ضمانت دی ہے ان کی قدر کریں۔

پناہ گزینوں سے متعلق اہم حقوق کا خلاصہ اس طرح ہے:

☆ ہر ستم رسیدہ مسلمان یا ہر مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دارالاسلام کے دائرہ میں رہتے ہوئے جہاں امان حاصل ہو وہاں پناہ لیں، اسلام ہر ستم رسیدہ کے لئے اس حق کی ضمانت دیتا ہے، قطع نظر اس کے کہ اس کا عقیدہ کیا ہے، وہ کس رنگ کا ہے اور کس نسل کا ہے۔

اگر کوئی پناہ گزیں اپنی سلامتی، امان اور زندگی سے متعلق خطرات سے تحفظ کے لئے دارالاسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے تو امام المسلمین یا اس منصب فائز شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے شخص کو ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے، بشرطیکہ وہ مذکورہ مقصد سے آئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وإن أحدمن المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام الله ثم أبلغه مامنه ذلك بانهم قوم لايعلمون" (سورہ توبہ ۶:)۔

(اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الہی سن سکے، پھر اسے اس

کی امن کی جگہ پہونچا دیجئے ، یہ حکم اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے)۔

جب ایک مشرک کے لئے یہ حکم ہے تو کسی مسلمان کو پناہ دینا بدرجہ اولی ہوگا، بشرطیکہ جس ملک نے اسے پناہ دیا ہے اس کے مصالح کے لئے وہ نقصاندہ نہ ہو۔

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں ان کے دین کا تحفظ، اپنے شعار کی ادائیگی کی آزادی، اور دوسرا مذہب کو قبول کرنے پر مجبور نہ کئے جانے کا حق بھی ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"لاإكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها والله سميع عليم" (سورہ بقرہ ۲۵۶:)۔

یہ آیت کریمہ صاف واضح کررہی ہے کہ اسلام تمام افراد اور تمام قوموں کے لئے مذہب کی آزادی کا قائل ہے، اس حق کی تاکید میثاق مدینہ منورہ میں بھی آئی ہے **"لليهود دينهم وللمسلمين دينهم ومواليهم وأنفسهم"**

ان تفصیلات کی روشنی میں ایسے معاشرہ میں مسلم غیر مسلم تعلقات کی شکل واضح ہوتی ہے جہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان بقائے باہم کا اصول ہو، خواہ ایک ملک کے اندر رہنے کی بات ہو، یا مصلحتوں کے تبادلہ کی بات ہو یا بین الاقوامی تعلقات کی بات ہو یا اس کے علاوہ بقائے باہم کی شکلیں ہو، چنانچہ مذہب کا مسئلہ عام معاملات سے الگ ہوتا ہے، قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان دوسروں کے عقائد کے بارے میں جوابدہ نہیں ہیں، اور نہ ہی ان سے دوسروں سے محاسبہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، لہذا جب ہمارے درمیان اور ان کے درمیان اس حوالہ سے مباحثہ کی نوبت آئے گی تو یہ ادب کے دائرہ میں اور مناقشہ کے بہتر طریقہ کے ساتھ ہوگا (مجلہ منبر الاسلام ،شمارہ، ۱۰، ۲۰۱۲ء، از طلعت محمد عفیفی رص ۲)۔

اس کی طرف قرآن میں بھی اشارہ موجود ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"ولا تجادلوا أهل الكتاب الا بالتي هي أحسن إلا الذين ظلموا منهم وقولوا آمنا بالذي أنزل الينا وأنزل إليكم وإلهنا وإلهكم واحد ونحن له مسلمون" (سورہ عنکبوت ۴۶:)۔

اور جھگڑا نہ کرو اہل کتاب سے مگر اس طرح پر جو بہتر ہو، مگر جو ان میں بے انصاف ہیں، اور یوں کہو کہ ہم اس کو مانتے ہیں جو ہم پر اترا تم پر نازل کیا گیا، ہمارے اور تمہارے معبود ایک ہی ہیں، اور ہم اسی کے حکم پر چلتے ہیں)۔

چنانچہ اسلام عیسائی پر عیسائیت چھوڑنے کو ضروری قرار نہیں دیتا، اور نہ یہودیوں کو یہودیت ترک کرنے پر مجبور کرتا ہے، بلکہ وہ ان دونوں سے جب تک کہ وہ اپنے قدیم دین سے وابستہ ہیں، یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اسلام کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں، جو اس مذہب کو اختیار کرنا چاہے کرے، بغیر کسی تلخ چھیڑ چھاڑ اور برے انداز میں مناقشہ کے (حقوق

الانسان، ازمحمد الغزالی رص ۷۴)۔

ان باتوں کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کیجئے کہ اسلام میں دوسرے مذاہب کا احترام امام ابن قیم کے اس جملہ سے بھی واضح ہے جو انہوں نے اپنی کتاب احکام اہل الذمہ میں تحریر فرمایا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

"وقد صح عن النبی ﷺ انه انزل وفد نصاری نجران فی مسجده وحانت صلاتهم فصلوا فيه وذلک عام الوفود" (احکام اہل الذمۃ،محمد بن ابی بکر بن ایوب ابن قیم الجوزیہ،تحقیق: یوسف بن احمد البکری وشاکر بن توفیق العاروری، دمام، ط ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء، ار ۳۹۷)۔

یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا، اور جب ان کی نماز کا وقت آیا تو انہوں نے مسجد میں ہی نماز ادا کی، اور یہ وفود والے سال کی بات ہے۔

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں ان کی جان کا تحفظ بھی ہے، اور یہ حق پناہ گزیں اور غیر پناہ گزیں دونوں کے لئے یکساں ہے، پناہ گزیں اس ملک کے ذمہ میں ہوں گے جن کی پشت پناہی انہوں نے حاصل کی ہے۔

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں ان کی عقل کا تحفظ بھی ہے، کہ عقل ہی مکلف ہونے کی بنیاد ہے، اللہ تعالی نے انسان کو دوسری مخلوقات سے عقل کے ذریعہ ہی ممتاز کیا ہے، اس سے مادی اور معنوی تمام چیزوں سے پناہ گزینوں کی عقل کی حفاظت کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں ان کی عزت وآبرو کا تحفظ بھی ہے، لہذا تہمت، سب وشتم یا کسی اور طرح سے ان کے ناموس سے کھلواڑ کرنا درست نہیں ہے، خواہ پناہ گزیں مسلمان ہو یا غیر مسلم، اور جن پر تہمت لگایا گیا ہے اگر وہ اہل کتاب میں سے ہے تو تہمت لگانے والے پر حد جاری کرنا ضروری ہے، اللہ تعالی نے اہل کتاب کو پاکبازی کی صفت سے متصف فرمایا ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"والمحصنات من المومنات والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم اذا آتيتموهن أجورهن محصنين غير مسافحين ولا متخذی أخدان" (سورہ مائدہ ۵:)۔

(اور اسی طرح جائز ہیں تمہارے لئے مسلمان پارسائیں اور ان کی پارسائیں جن کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے، جب تم انہیں ان کے مہر دیدو، اور قید نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے، اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والے)۔

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں رہائش کا حق بھی ہے، بشرطیکہ وہ پڑوسیوں کے لئے ضرررساں نہ بنیں، اسی طرح

اس کی رہائش گاہ بھی قابل احترام ہوگی، کسی کو اس کی اجازت کے بغیر وہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی، اور عذر شرعی کے بغیر اس رہائش میں تنگی کرنا درست نہ ہوگا۔

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ انہیں خرید وفروخت، ہبہ، صدقہ، ملکیت، قبضہ، اور دیگر تمام صحیح معاملات کا حق حاصل ہوگا، نیز یہ کہ وہ وارث بھی ہوں اور مورث بھی۔

☆ پناہ گزینوں کو شخصی آزادی حاصل ہوگی، تاکہ امان کا تحقق ہو، کہ سارے افراد بشری طبیعت اور اصلی خلقت کے اعتبار سے برابر ہوتے ہیں، ان میں باہم کوئی فرق اور تفاضل نہیں ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيل" (سورہ اسراء ۷۰:)۔

(اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور جنگلوں اور دریا میں سواری دی، اور صاف ستھری چیزوں سے رزق دیا اور ان بہت سوں پر فضیلت دی جنکو ہم نے پیدا کیا)۔

چنانچہ اللہ تعالی نے علی العموم سارے بنی آدم کو فضیلت بخشی ہے، جس کا تقاضہ ہے کہ ان کی شخصی آزادی کی حفاظت کی جائے، سوائے ان مواقع پر جہاں شریعت میں امتیاز اور فوقیت ثابت ہے۔

شیخ الدعاۃ محمد الغزالی تحریر کرتے ہیں:

انسان کی آزادی اس کی زندگی کی طرح قابل احترام ہے، یہ انسان کی خلقی صفت ہے جس پر انسان پیدا ہوتا ہے، **"مامن مولود ويولد على الفطرة"** یہ صفت مستقل کے لئے ہے، کسی کے لئے اس پر زیادتی کرنا درست نہیں ہے، **"متى استعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحرارا"** "فرد کی آزادی کی مکمل ضمانت دینا ضروری ہے، اس آزادی کو محدود کرنا یا اس کی حد بندی کرنا سوائے شرعی دلیل یا شریعت سے ثابت کاروائی کے درست نہیں ہے (حقوق الانسان، از محمد الغزالی رص ۲۱۲:)۔

اسلام افراد کی بنیادی آزادی کے حق کو بلند مقام تک پہونچا تا ہے، بایں طور کہ وہ مکمل مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے، چنانچہ اسلامی حکومت کا اپنے شہریوں کو تحفظ دینا اور اس کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کا عمل اس ملک کے غیر مسلم شہری ہونے کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ انہیں ان کے وطن کی طرف واپس نہیں کیا جائے گا جہاں ان پر ظلم ہوا ہے، اور شاید یہ پناہ گزینوں کو حاصل ہونے والے حقوق میں سب سے اہم حق ہے جس کی خواہش پناہ گزیں کرتے ہیں، چنانچہ پناہ گزیں اور اس ظالمانہ نظام کے درمیان جہاں سے وہ فرار ہوا ہے اسلام حائل ہوجاتا ہے، اس کی مثالوں میں

یہ ہے کہ ابوطالب نے نبی کریم ﷺ کو قریش کے حوالہ کرنے سے انکار کردیا، جنہوں نے آپ ﷺ کو اذیتیں دیں اور تکلیفیں پہنچائیں، اور اس حق کی اہمیت کی وجہ سے اسے بین الاقوامی دستاویزات میں بڑی اہمیت حاصل ہے، چنانچہ اقوام متحدہ کے ڈکلریشن کی دفعہ (۳) کے پہلے فقرہ میں مذکور ہے، مذکورہ لوگوں یعنی پناہ گزینوں میں سے کسی بھی فرد کو سرحد کے پاس پہونچنے سے روکنے جیسی کاروائی کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح جب وہ کسی ایسے ملک میں داخل ہوجائے جہاں کی پناہ چاہتا ہے تو جلاوطن کرنا، یا جبراً کسی ایسے ملک واپس کرنا جہاں وہ دوبارہ ظلم کا شکار ہوسکتا ہے، صحیح نہیں ہے (حقوق اللاجئ طبقا لمواثیق الامم المتحدۃ، محمد شوقی عبد العال رص ۴۰)۔

اسی طرح ۱۹۵۱ء کے معاہدہ، پناہ گزینوں کی حالت سے متعلق قانون، اس کے اضافی پروٹوکول ۱۹۶۷ء، اور معاہدہ کے دفعہ ۳۲ میں تین ضمانتیں دی گئی ہیں، جو اس طرح ہیں:

۱۔ پناہ گزیں کو جلاوطن کرنے سے متعلق حکومت کے اختیار کو محدود کرنا، اور یہ کام عمومی قاعدہ کے تحت جلاوطن کرنے کو ممنوع قرار دیکر ہوسکتا ہے۔

۲۔ جلاوطن کرنے سے متعلق تجویز منظور کرنے پر لازمی کاروائی کرنا، کیونکہ یہ بھی لازم ہے کہ یہ جلاوطنی قانون کے ذریعہ متعین کردہ راہوں کے مطابق انجام دیا جائے، نیز پناہ گزینوں کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے، فیصلہ پر اعتراض کرنے، اور قانونی مدد حاصل کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

۳۔ اور جلاوطن کرنے سے متعلق تجویز حتمی شکل میں منظور ہوجانے پر پناہ گزینوں کو معقول مہلت دینا، تاکہ دوسری پناہ گاہ تلاش کرنا ممکن ہو (دیکھئے: حق اللجوء السیاسی، دراسۃ فی نظریۃ حق الملجأ فی القانون الدولی، از برہان امر اللہ ر ۲۲۵)۔

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں برابری اور امتیاز کا نہ ہونا بھی ہے، یہ حق پناہ گزینوں سے متعلق معاہدہ ۱۹۵۱ء میں پوری وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، اس کی دفعہ ۳ میں ہے: حکومتوں پر لازم ہے کہ وہ پناہ گزینوں سے متعلق مذکورہ معاہدہ کونسل، مذہب اور وطن کی تفریق کے بغیر منطبق کریں (دیکھئے: نسبیۃ الحریات العامۃ وانعکاساتہا علی التنظیم الدولی، از سعاد الشرقاوی، ط: دار النہضۃ العربیۃ، مصر، طباعت ۱۹۷۹ء، ص ۱۷۸)۔

ان معاہدات سے صدیوں قبل میثاق مدینہ میں صراحت ہے کہ "الناس أمة واحدة" سارے لوگ ایک امت ہیں، یہاں شہریت کے تمام پہلوؤں میں برابری کے لئے لفظ 'امت' کا استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ مومنین ایک امت ہیں، یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہیں، یہودیوں کے لئے ان کا مذہب ہے اور مسلمانوں کے لئے ان کا مذہب، "وإنه من تبعنا من اليهود فان له النصر و الأسوة" اور جو مسلمانوں کی پناہ حاصل کرلے وہ مسلمانوں کے ساتھ امت ہیں، 'و من لحق بهم'۔

☆ فضائی، زمینی اور سمندری ہر طرح سے پورے ملک میں نقل وحرکت کی آزادی بھی پناہ گزینوں کے حقوق میں سے ہے، پناہ گزینوں سے متعلق خاص معاہدہ ۱۹۵۴ء کے دفعہ ۲۶ میں مذکور ہے،''اس معاہدہ میں شریک ہر ملک اپنے ملک میں مقیم پناہ گزینوں کو اپنے لئے رہائش اختیار کرنے کا حق، اور آزادی کے ساتھ اپنی سرزمین میں نقل وحرکت کا حق دے گا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی ایسے قانون کے ماتحت ہو جو ان جیسے خاص حالات میں غیر ملکیوں پر نافذ ہوتا ہو۔

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں وطن واپسی کا حق بھی ہے، انسانی حقوق سے متعلق عالمی اعلامیہ کے دفعہ ۱۳ میں واپسی کے حق کی تاکید اس طرح آئی ہے: ''ہر فرد کو اپنے وطن کے اندر کہیں آنے جانے اور اسی طرح اپنے وطن واپس آنے کا حق ہوگا''

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں تعلیم کا حق بھی ہے، یہ عمومی حق ہے جس میں سارے افراد شامل ہیں، معاہدہ ۱۹۵۱ء کے دفعہ ۲۲ میں اور پناہ گزینوں کی حالت سے متعلق معاہدہ ۱۹۵۱ء میں اس کی صراحت آئی ہے، عبارت اس طرح ہے: ''معاہدہ میں شامل تمام ممالک پناہ گزینوں کو ملک کے باشندوں کے مساوی تعلیمی حق دیں گے''

☆ پناہ گزینوں کے حقوق میں ان کی بنیادی حفظان صحت کا حق بھی ہے، معاہدہ کی عبارت اس طرح ہے،'' ملک کے ہر فرد کو حفظان صحت کا حق دیا جائے گا، یہی حق مناسب طریقہ پر افراد، خاندان اور معاشرہ کو بھی دیا جائے گا، کیونکہ ان سب سے مکمل شرکت کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور یہ معاشرہ کے بجٹ کے مطابق دیا جائے گا''۔ (دیکھئے: تنظیم عالمی صحت کی ویب سائٹ)

☆ ان تمام حقوق کے ساتھ زندگی کی ہر ضروریات کا حق مثلاً ملازمت، رہائش، کھانا، ہر طرح کی آزادی، انصاف اور قومیت وغیر کے حقوق بھی شامل ہیں۔

شریعت اور بین الاقوامی قوانین میں پناہ گزینی ختم ہونے کے اسباب

☆ پناہ گزینی کے اسباب ختم ہو جائیں یا پناہ گزیں کی وفات ہو جائے تو پناہ گزینی ختم ہو جائے گی، چنانچہ جب مسلمانوں کو حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کی خبر ملی تو وہ مکہ مکرمہ واپس ہو گئے، اسی طرح باقی مسلمان صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

☆ پناہ گزینی ختم ہونے کے اسباب میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استہزاء بھی ہے، چنانچہ اگر پناہ گزیں کی طرف سے اسلام، اسلامی تعلیمات شریعت، مسلمان اور مذہبی شخصیات کے استہزاء پر مشتمل کوئی بات سامنے آئے تو پناہ گزینی ختم ہو جائے گی، کیونکہ مسلمان ایسے فرد کو پناہ نہیں دے سکتے ہیں جو ان کا اور ان کے دین کا مذاق

اڑائے (دیکھئے: مقالہ عبداللہ محمد، اللجوء فی الاسلام، پیش کردہ جامعہ نایف العربیہ للعلوم الامنیۃ، سعودی عرب، ۲۰۰۶ء، ص: ۷)۔

☆ خیانت: اس سے مراد اس ملک کے ساتھ خیانت ہے جس نے اسے پناہ دیا ہے، اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، مثلاً پناہ دینے والے ملک کے دشمنوں سے تعلق یا دشمنوں کے مفاد میں جاسوسی وغیرہ، جب اس طرح کی کوئی بات سامنے آجائے تو اسلامی حکومت کو وہ پناہ ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا جو اس نے دیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وإما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء ان الله لا يحب الخائنين" (سورہ انفال ۵۸:)۔

(اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ (وہ عہد) ان کی طرف اسی طرح واپس کر دیں، بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا)

سید قطب شہیدؒ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

یہ آیت کریمہ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے نازل کی گئی جو اس وقت بالفعل (جب کہ مدینہ میں اسلامی ریاست نشوونما پارہی تھی) اسلامی جماعت کو درپیش تھی، ان کے ذریعہ مسلم قیادت کو وہ احکام وہدایات دی جارہی تھیں جن سے وہ اس حالت کا مقابلہ کر سکے، یہ ہدایت مسلم کیمپ اور اس کے گردوپیش موجود دیگر کیمپوں کے مابین خارجہ تعلقات کے باب میں ایک اہم اساس کی حیثیت رکھتی ہے، جن میں اگرچہ بعد میں کچھ جزوی ترامیم کی گئیں اور پھر انہیں قطعی شکل دی گئی، تاہم بین الاقوامی سطح پر اسلام کے طریقہ معاملات میں ایک بنیادی اصول کے بطور ان کا درجہ باقی ومسلم ہے۔

ان سے ثابت ہوتا ہے کہ مختلف کیمپوں کے مابین بقائے باہم کی غرض سے سلامتی کے معاہدے کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ ممکن حد تک یہ معاہدے عہد شکنی سے محفوظ رکھے جائیں اور ہر فریق ان کا مکمل احترام کرے اور صدق دل سے معاہدے کی دفعات کی پابندی کرتا رہے، لیکن فریق ثانی اگر ان معاہدوں کی آڑ میں خیانت وغداری کو کالعدم قرار دیدے اور فریق مخالف کو ان کی منسوخی کی اطلاع کردے، پھر مسلم ریاست کا سربراہ آزاد ہوگا کہ وہ جب چاہے ان خائنوں اور غداروں کی سرکوبی کرے۔۔۔اور یہ سرکوبی ایسی سخت اور عبرتناک ہوگی کہ ان تمام لوگوں پر دہشت طاری ہوجائے جو کھلے یا چھپے مسلم معاشرہ سے تعرض کرنے کا خیال دل میں پال رہے ہیں (فی ظلال القرآن ۱۵۳۹/۳)۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں:

اسلام معاہدہ اس لیے کرتا ہے کہ وہ اپنے عہد کی پاسداری کرے اور اپنے پیمان کو برقرار رکھے، لیکن جب فریق ثانی کی جانب سے اسے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو وہ اس ہونے والے معاہدے کو علی الاعلان اس کے آگے پھینک دیتا ہے اور معاہدہ ختم کرنے کی اسے اطلاع دیتا ہے، وہ خیانت وغداری نہیں کرتا اور نہ دھوکہ دہی اور دغابازی کو اپنا شعار بناتا ہے، وہ دوسروں کو صاف صاف بتا دیتا ہے کہ ان معاہدے سے وہ دست کش ہو چکا ہے، اب اس کے

اور ان کے مابین امن کا معاہدہ باقی نہیں رہا،اس طرح اسلام انسانیت کوشرف واستقامت کے اعلی مراتب پر فائز کرتا اورامن واطمینان کی وسعتوں میں لے جاتا ہے،وہ دوسروں پر ناگہانی شب خون نہیں مارتا اور نہ ان لوگوں پر اچانک اور فاجرانہ یلغار کرنے کا قائل ہے،جو بے خوف اور مطمئن بیٹھے ہوں،اورانہیں ان معاہدوں اوردستاویزات پر بھروسہ ہو جن کی منسوخی کی انہیں اطلاع نہ دی گئی ہو،اسلام ایسے لوگوں کوخوفزدہ کرنے کا روادار نہیں جنہوں نے دفاع و محافظت کا سامان ساتھ نہ لیا ہو،اس صورت میں بھی نہیں جب ان کی طرف سے خیانت کا اندیشہ ہو،ہاں معاہدہ ختم ہوجانے کے بعد جب جنگی حالت پیدا ہوجائے تو اس وقت الحرب خدعة کے اصول پر جنگی چالیں جائز ہوجاتی ہیں،کیونکہ اس کے بعد ہر فریق چوکنا و محتاط ہو چکا ہوتا اور دفاعی تدابیر اپنا چکا ہوتا ہے،اب اگر دشمن کے خلاف جنگی چال روا رکھی جاتی ہے تو یہ اس کے ساتھ دغابازی اور غدر کے مترادف نہیں ہے،بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ غافل ہے،اس وقت فریب کے سارے حربے مباح ہیں،کیونکہ مقصد غداری و بدعہدی نہیں ہے۔

اسلام انسانیت کا معیار بلند کرنا چاہتا ہے،اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ انسانیت کا دامن پاک وصاف ہو،لہذا وہ غلبہ وعروج کی خاطر غدر اور دھوکہ کو روانہیں رکھتا اور یہ کیونکر ممکن ہے جب کہ اس کی جدوجہد ایک اعلی وارفع مقصد کی راہ میں ہے،اس لئے وہ اس بات کی قطعا اجازت نہیں دیتا کہ ایک اونچے مقصد کے حصول کے واسطے گھٹیا طور طریق اپنایا جائے۔

اسلام کوخیانت سے شدید نفرت ہے،وہ خائنوں اور عہد شکنوں کو حقارت بھری نظر سے دیکھتا ہے،اس وجہ سے وہ پسند نہیں کرتا کہ مسلمان امانت عہد میں دھوکہ دہی کے مرتکب ہوں،خواہ یہ ایسے مقصد کی راہ میں ہو جو بجائے خود اعلی واشرف ہو،کیونکہ نفس انسانی ایک منقسم اکائی ہے،اور جب وہ اپنے لئے کوئی خسیس ذریعہ جائز ٹھہرالے گی تو اس کے لئے کسی شریف مقصد کو محفوظ رکھ پانا ممکن نہ ہوگا۔۔۔اور وہ شخص مسلمان نہیں جو اچھے مقاصد کے لئے ہر قسم کے ذرائع ووسائل استعمال کرنے کو درست سمجھتا ہو،یہ اصول ،اسلامی شعور کے لئے بالکل اجنبی ہے،جس کا اسلام کی نگاہ میں کوئی جواز نہیں،اسلئے کہ نفس انسانی کی دنیا میں بلحاظ اس کی ساخت ذرائع اور مقاصد میں کوئی فرق نہیں،کسی مرغزار تک پہونچنے کی خواہش ایک مسلمان کو کیچڑ کے تالاب سے گذرنے پر آمادہ نہیں کرسکتی،کیونکہ بالآخر اس کے کیچڑ آلود پاؤں اس سبزہ زار کو بھی گندہ و پلید بنادیں گے،یہی وہ اسباب ہیں جنکی بناء پر اللہ تعالی خائنوں وبدعہدوں کو ناپسند کرتا ہے،اوراسے خیانت وبدعہدی سے سخت نفرت ہے،"إن الله لا يحب الخائنين" (فی ظلال القرآن ۳ / ۱۵۴۲)۔

ان باتوں کے ساتھ یہ بھی اضافہ کیجئے کہ جب نجران کے عیسائیوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ فرمایا،آپ نے بعض شرائط رکھے جن کی پابندی اور معاہدہ سے وفاداری ان کے دین کے لحاظ سے بھی ضروری تھی،ان میں بعض شرائط اس طرح تھے،:ان میں کوئی جاسوس نہیں ہوگا،اور نہ کسی حربی کے

لئے مسلمانوں میں سے کسی کی نگرانی کرے گا نہ خفیہ نہ علانیہ، نہ مسلمانوں کے دشمنوں میں سے کسی کو بھی اپنے گھر میں آنے دے گا، جس کے ذریعہ موقع سے فائدہ اٹھانا اور حملہ کرنا چاہتا ہو اور نہ انہیں نہ ان کے علاوہ دوسروں کو سوائے اپنی ملت کے اپنے گھروں، اپنی زمینوں، اور اپنی عبادت خانوں میں داخل کرے گا، نہ مسلمانوں کے خلاف کسی حربی کی ہتھیار، گھوڑے یا افراد کے ذریعہ مدد دے گا، نہ اس کے ساتھ رواداری برتے گا... اگر اپنے پاس، اپنے گھروں میں، اور اپنے عبادت خانوں میں مسلمانوں میں سے کسی کو چھپانے کی ضرورت پڑے تو وہ اس کو پناہ دیں گے، اس کی مہمان نوازی کریں گے، اور زندگی کے مسائل میں اس کی غمخواری کریں گے، اور اس کو راز میں رکھیں گے، دشمن کو اس کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہیں کرے گا، اور نہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کریں گے۔

اور جہاں تک بین الاقوامی قانون میں پناہ گزینی کے خاتمہ کی بات ہے تو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اپنے اجلاس ۱۹۶۴ء میں یہ تجویز منظور کی تھی کہ جب تک پناہ گزینوں کی طرف سے معقول اسباب نہ پائے جائیں انہیں اپنے اصلی وطن واپس ہونے پر مجبور نہ کیا جائے، چنانچہ معاہدہ ۱۹۵۱ء کے دفعہ (۱) میں ہے کہ اس معاہدہ کا اجراء اس شخص پر موقوف ہے جس پر پیراگراف (الف) کے احکام منطبق ہوتے ہیں، اس صورت حال میں جب اس ملک کی حمایت جاری رکھنا جس کی وہ قومیت رکھتا ہے اس پر دشوار ہو جائے ان اسباب کے ختم ہو جانے کی وجہ سے جن کی وجہ سے وہ پناہ گزیں سمجھا جائے (دیکھئے: حقائق وشبہات حول السماحۃ الاسلامیۃ وحقوق الانسان، ص ۳۲)۔

بین الاقوامی قانون میں پناہ ختم ہونے کے اسباب کا خلاصہ اس طرح ہے:

۱۔ وفات: وفات سے پناہ گزیں کی پناہ گزینی ختم ہو جائے گی۔

۲۔ اخراج/جلاوطنی: پناہ دینے والے ملک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ پناہ گزیں کو واپس کرنے کے لئے یا جلاوطن کے لئے آخری تاریخ مقرر کرے، پناہ گزینوں کے حالات سے متعلق خاص معاہدہ میں تحدید کی گئی ہے کہ پناہ گزیں کے حق میں اخراج ممکن ہے، لیکن یہ عمل درج ذیل شرائط کے ساتھ ہونے چاہیے:

الف: پناہ دینے والا ملک قانونی پناہ گزیں کو صرف ملکی امن یا عمومی نظام کے اسباب کے تحت ہی جلاوطن کرسکتا ہے۔

ب: پناہ دینے والا ملک اسی وقت کسی کو جلاوطن کرسکتا ہے جب دوسرے ملک میں داخل ہونے کی اجازت اسے حاصل ہو جائے (دیکھئے: الملجأ فی القانون الدولی، حمدی الغنیمی، ص ۶۳۹)۔

۳۔ رضا کارانہ واپسی: یہ پناہ گزیں کا اپنے ملک واپس ہونا ہے، بلاشبہ یہ مثالی طریقہ ہے جس سے پناہ گزینی (پناہ

کا عمل) ختم ہوجاتی ہے۔

۴۔ پناہ دینے والے ملک کی شہریت حاصل ہوجائے: یعنی پناہ دینے والا ملک پناہ گزیں کو قومیت (نیشنلٹی) عطا کردے، اس وقت بھی پناہ گزینی ختم ہوجائے گی، کیونکہ اس وقت وہ جس ملک سے راہ فرار اختیار کیا تھا اس کے علاوہ دوسرے ملک کی قومیت سے مستفید ہو رہا ہے (الاعلام بقواعد القانون الدولی والعلاقات الدولیۃ فی شریعۃ الاسلام، احمد ابوالوفا، دار النہضۃ العربیۃ، مصر، سن طباعت ۱۹۹۲ء، ج۶، ص ۴۶۸:)۔

خاتمہ:

ان مختصر صفحات میں ہم نے شہریت اور پناہ گزینوں کے حقوق کو اسلامی نقطہ نظر سے پیش کیا ہے، اور اس سلسلہ میں بین الاقوامی قانون میں موجود بعض باتوں کو پیش کیا ہے، اس تحقیق سے درج ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

الف: ایسی شہریت جو معاشرہ کے مختلف میدانوں میں ترقی عطا کرسکے، اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسی ذہنیت/مزاج تیار ہو جس کے اندر شعور ہو، ثقافت ہو، اور تجربہ ہو، اس طرح ریاستی ترقی کے تمام مراحل کی تکمیل کے لئے مثبت شہریت کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

ب: مسلمان مواطن ہوں یا مقیم، اس کا مغربی دنیا میں ہم آہنگ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی سرگرمیاں اسلامی اصول وضابطہ کے دائرہ میں ہو، اور اس کا تعامل غیر مسلم معاشرہ کے ساتھ منظم اور باشعور ہو، اس لئے کہ مسلمان صاحب پیغام اور داعی ہے۔

ج: وطن سے تعلق اور محبت کا مطلب زمین کی بازآبادکاری، قوم کے ساتھ حسن سلوک، قانون کی پابندی اور معروف میں حکومت کی اطاعت کرنا ہے۔

د: اسلام کا پیغام پوری انسانیت کے لئے ہے، "**وماأرسلناك إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا**" (سورہ سبا ۲۸:) فرد ہو یا جماعت، قبیلہ ہو یا قوم، اسلام کا پیغام انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے، اور انسان کے اندرون میں جو امن کی روح ہے اس سے ہم آہنگ ہے، ہمارے دین نے جن حقوق کو (ان میں شہریت اور پناہ گزینی کے حقوق بھی ہیں) لازم قرار دیا ہے وہ ایسی ضرورتیں ہیں جن سے لوگوں کو مفر نہیں، اس لئے کہ یہ حقوق انسان کے اس مقام بلند کی دلیل ہے جو اللہ تعالی نے عطا کیا ہے اور جس نے اس کو زمین میں جانشیں بنایا ہے۔

"وصل اللهم وسلم على بدر التمام ومصباح الظلام ومفتاح دارالسلام وشمس دين الاسلام سيدنا وحبيبنا محمد خير الانام وعلى اهل بيته وصحبه الكرام والحمد لله رب العالمين فى البدء والختام"۔

☆☆☆